سلسلۂ مطبوعات ادارۂ ادبیات اردو شمار (۵۴)

نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی

از

مولوی فیض محمد صاحب بی۔ اے۔ ڈپ۔ ایڈ (عثمانیہ)

سنہ ۱۹۴۰ء

(مطبوعہ)

اعظم اسٹیم پریس گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹرز

بار اول　　فون نمبر ۲۴۰۳ حیدرآباد دکن　　قیمت ۶ /

اس سلسلہ کی اور کتابیں

نظام الملک آصفجاہ اوّل	۴ر
سرسیّد احمد خاں	۲ر
اعظم الامراء ارسطو جاہ	۶ر
سر سالار جنگ اعظم	۶ر
دادا بھائی نوروزجی	۲ر

ملنے کا پتہ

سب رس کتاب گھر

ادارۂ ادبیاتِ اردو

رفعت منزل خیریت آباد حیدرآباد دکن

فہرست



۱۹۶۳ء

دیباچہ عمومی

نواب عماد الملک ہندوستان کے اُن مشاہیر میں سے تھے جن کے نام اور کام اِس ملک کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہینگے، یہ عجیب بات ہے کہ وہ نام و نمود سے جتنا بھاگتے تھے اتنا ہی زیادہ اُن کا نام مشہور رہوا، اور سچ تو یہ ہے کہ ہمیشہ عزت سے لیا جائیگا۔

وہ عالم و فاضل ہونے کے علاوہ مدبر اور فریس بھی تھے لیکن علم و فضل اور ریاست و تدبر کے ساتھ عالموں اور مدبروں کی طبیعت میں جو خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں، اُن سے نواب عماد الملک ہمیشہ بچتے رہے، علم و فضل کے ساتھ اکثر غرور و خود پسندی اور اپنے ہمعصروں سے رشک و عناد بھی پیدا ہونے لگتا ہے لیکن خود صاحب فضل و کمال ہونے کے ساتھ ساتھ عماد الملک ہمیشہ عالموں اور فاضلوں کی قدر دانی اور ہمت افزائی کرتے رہے، اور کبھی اپنے علم و فضل پر گھمنڈ نہیں کیا، تدبر و ریاست کے ساتھ سازشیں اور اثر و اقتدار کے ساتھ ایذا رسانی اور مستحقوں کے حقوق سے بے پروائی بھی

پیدا ہونے لگتی ہے، لیکن نواب عماد الملک نے اعلیٰ درجے کے تدبر ہونے کے باوجود کبھی کسی سازش میں حصہ نہ لیا، اور اثر و اقتدار کے انتہائی درجہ پر پہنچکر بھی اپنے عزیزوں اور دوستوں کی خاطر مستحقین کے حق کو تلف کرنے کا کبھی خیال تک نہ آنے دیا۔

اُن کی سلامت رَوی، نیک طبعی اور منصف مزاجی کے ثبوت ڈھونڈھنے کے لئے اُن کے سوانح حیات کی چھان بین کی ضرورت نہیں۔ صرف یہ ایک واقعہ ان کی ان خوبیوں کو بخوبی ثابت کردیتا ہے کہ مختار الملک سر سالار جنگ اعظم نے حیدرآباد کے سرکاری و درباری معاملات کو سُلجھانے کے لئے جن صاحبان فضل و فہم کو باہر سے بلایا اُن میں عماد الملک سب سے پہلے تھے، اور اُن کے بعد بیسیوں اَصحاب آئے لیکن کوئی بھی اِس نیک نامی اور اِعزاز و احترام کے ساتھ آخر عمر تک حیدرآباد میں نہ رَہ سکا جو عماد الملک کو حاصل تھا۔

اُن کے پاکیزہ کردار کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اُن کے بعد کے آئے ہوئے اَصحاب نے کئی دفعہ اُن کو بھی سازشوں میں شریک کرنا چاہا لیکن وہ کسی سازش میں شریک نہوئے اور ہر وقت اُن کی نیک طبعی اور ضمیر کی حق پرستی اُن کے کام آئی چنانچہ بعض دفعہ اُن کے خلاف بڑے شد و مد سے سازشیں بھی کی گئیں۔ لیکن ہر وقت سازش کرنے والوں کو ناکامی کی صورت دیکھنی پڑی سچ تو یہ ہے کہ حیدرآباد کی ترقی کے لئے نواب مختار الملک جو خواب دیکھا کرتے تھے

ان کی صحیح تعبیر نواب عماد الملک کے کارناموں میں نظر آتی ہے، اُنھوں نے حیدر آباد کو ایک ایسی دولت سے مالا مال کر دیا جو رہتی دنیا تک اُنکا نام اِس ملک کی تاریخ میں زندہ رکھیگی، یہ علم وفضل کی وہ دولت ہے جو دائرۃ المعارف، کتب خانہ آصفیہ، نظام کالج، اور جامعہ عثمانیہ کی شکل میں روز افزوں ترقی کر رہی ہے، اور اگرچہ آج علم وفضل کے اُن خزانوں کی جگمگاہٹ نے سب کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا ہے لیکن دنیا والے اِتنے احسان فراموش نہیں ہیں کہ اُن خزانوں کی بنیاد رکھنے والے کی یاد کو فراموش کر جائیں، یہی اِحساسِ اِحسان شناسی تھا کہ اِدارۂ اَدبیات اُردو نے عوام اور طلبہ کے لئے جہاں دیگر مشاہیرِ ملک کے سوانح حیات تیار کرائے، نواب عماد الملک کے مختصر حالاتِ زندگی کی ترتیب کا کام بھی ابتدا ہی سے پیش نظر رکھا اور مسرت کا مقام ہے کہ مولوی فیض محمد صاحب نے اِس کام کو بڑے قرینے سے انجام دیا۔

میں اِدارہ کی طرف سے اُن کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اُنھوں نے مختار الملک کے بعد عماد الملک پر بھی ایک چھوٹی سی مفید اور پر از معلومات کتاب لکھدی جو بہت ممکن ہے کہ ایک مبسوط و مکمل سوانح حیات کا پیش خیمہ ثابت ہو۔

سید محی الدین قادری زور

معتمد اعزازی

(۱)

تمہید

ڈاکٹر سید حسین بلگرامی، نواب عماد الملک ہندوستان کی اُن چند مایۂ ناز ہستیوں میں سے ہیں جنھوں نے اپنے علم و ادب، دیانت و راستبازی، حق گوئی اور اخلاقی جرأت کے بے مثال نمونے آنیوالی نسلوں کے لئے قومی ورثہ کے طور پر چھوڑے ہیں۔ حیدر آباد اُن کی ہر جہتی سرگرمیوں کا مرکز بنا رہا۔ پچاس سال کی طویل مدت میں اُنھوں نے اِس ملک میں نمایاں خدمات انجام دیں اور لوگ اُنھیں اَب تک "حیدر آباد کے معمر بلبلِ عظیم" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اُن کو اِس دُنیا سے کوچ کئے کچھ ایسا زیادہ عرصہ نہیں گذرا اور ابھی ایک نسل ایسی باقی ہے جسے ان دلچسپ علمی صحبتوں سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع ملا جو نوبت پہاڑ کے دامن میں ایک دلچسپ باغیچے کے اندر ایک خاموش اور پُر سکون مکان میں ہر وقت منعقد رہا کرتی تھیں۔ اِس بزم کی شمع نواب عماد الملک تھے جو اپنی عمر کے چوراسی سال پورے کرنے کے

بعد اور ایک مصروف زندگی بسر کرنے کے باوجود علم و اَدب کی محفل میں جواں سال دکھائی دیتے تھے۔ ان کے اطراف مختلف علوم و فنون کے ماہرین جمع رہتے اور مختلف موضوعوں پر بحث و مباحثہ ہوتا رہتا تھا۔ کہتے ہیں کہ آخر عمر میں اُن کے شکستہ پیر میں اِس درجہ درد ہوتا تھا کہ وہ بے چین ہو جاتے تھے لیکن اِس کے باوجود ان کے علم و فضل کا دروازہ کبھی بند نہ ہوا اور اس حالت میں بھی وہ مطالعہ اور علمی صحبتوں سے کنارہ کش نہ ہوئے بلکہ اُن کی مصروفیت کا یہ عالم تھا کہ علمی مشغولیتوں کے بعد جو بھی وقت مِلتا اُس میں روزآنہ کئی خطوط کے جوابات خود لکھتے تھے اور جب لوگ اِصرار کرتے کہ یہ کام دوسروں سے کیوں نہیں لیا جاتا تو کہتے کہ بڑی بُری بات ہے کہ کوئی مجھے خود اپنے قلم سے خط لکھے اور میں اس کا جواب منشی سے لکھوا بھیجوں! یہ تھا اُن کا اعلیٰ اور مضبوط کردار!!

نواب عماد الملک کا نام اور کام حیدرآباد تک ہی محدود نہ تھا بلکہ ہندوستان کے طول و عرض میں اُن کی قابلیت اور اُن کے کارناموں کے ڈنکے بجے ہوئے تھے۔ یہ پہلے مسلمان تھے جنھیں انڈیا کونسل کی رکنیت کا اِعزاز حاصل ہوا۔ وزیرِ ہند، لارڈ مورلے اُن کی اعلیٰ قابلیت کا لوہا مانتے تھے اور سارے اَبنائے وطن، بلا لحاظ مذہب و ملت، اُن کی پُرخلوص خدمات کا دل سے اِحترام کرتے تھے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ نواب عماد الملک کی زندگی کا ہر پہلو ایک قابلِ تقلید نمونہ ہے۔

(۲)

اِبتدائی حالاتِ زندگی

سید حسین بلگرامی، نواب عماد الملک صاحب گنج (گیا) میں سنہ ۱۸۴۲ء میں پیدا ہوئے۔ اُن کا تعلق بلگرام کے ایک ممتاز خاندان سادات سے تھا جو ساتویں صدی ہجری میں سلطان محمد غوری کے ساتھ ہندوستان آیا۔ اس واقعہ کی تاریخ لفظ خداداد (۶۱۴ھ) سے نکلتی ہے۔

بلگرام میں اِس خاندان نے کوئی سات سو سال تک نہایت نیک نامی اور خوش حالی میں بسر کی۔ مختلف عہدوں میں اِس خاندان کا بول بالا رہا۔ اور اکثر ارکان ممتاز عہدوں پر فائز رہے۔ چنانچہ نواب عماد الملک کے والد ماجد سید زین الدین حسین خاں بہار میں تعلقہ دار اور ناظم عدالت کے عہدہ پر فائز رہے۔ وہ اور اُن کے بڑے بھائی سید اعظم الدین حسین خاں دو پہلے مسلمان تھے جنھیں اُن ذمہ دار عہدوں سے سرفراز کیا گیا۔

سید حسین بلگرامی کی ابتدائی تعلیم و تربیت گھر ہی پر ہوئی۔ یہ گھرانہ تعلیم و تربیت کے سلسلے میں اِمتیازی حیثیت رکھتا تھا اور خصوصیت

کے ساتھ عربی تعلیم کا بہت چرچا تھا۔ چنانچہ سات سال کی عمر میں اُنھیں عربی تعلیم دی جانے لگی۔ سب سے پہلے اُنھوں نے قرآنِ مجید کو ختم کرنے کی سعادت حاصل کی اور پھر عربی کی صرف ونحو پڑھنا شروع کی۔ اِس ابتدائی تعلیم ہی کا اثر تھا کہ اُنھوں نے عربی پر عبور حاصل کیا اور آخر عمر تک عربی زبان کی کتابوں کا مطالعہ اُن کا محبوب ترین شغلہ بنا رہا۔

عربی تعلیم کے ساتھ ساتھ سید حسین بلگرامی نے بعض فنون بھی سیکھے اس زمانے میں مسلمانوں میں کشتی، تلوار بازی اور تیر اندازی کا بہت رواج تھا اور ہر معزز اور شریف گھرانے کا فرد اس میں کمال پیدا کرنا اپنے لئے عزت سمجھتا تھا۔ ان دنوں سواری کا معیار اِتنا بلند تھا کہ آزمائش کے وقت بغیر سدھائے ہوئے گھوڑے کی پشت پر بلا زین کے سواری کرنی پڑتی تھی۔ سید حسین بلگرامی نے بھی پڑھنے لکھنے کے ساتھ ساتھ ان تمام مردانہ کھیلوں اور ورزشوں میں گہری دلچسپی لی جس کے باعث بچپن ہی سے وہ بہت ہی صحت مند اور توانا رہے۔ غالباً یہ اُسی زمانے کا فیض تھا کہ اَسّی سال کی عمر میں بھی وہ جوان دل ودماغ کے ساتھ کام کرتے رہے۔

ان کی ذکاوت اور بہادری کے باعث ماں باپ اُنھیں بہت پیار کرتے تھے، وہ اُن کی آنکھوں کا نور تھے لیکن شومئی قسمت کہ اُن کو پروان چڑھتے دیکھنا، اُن کی والدہ کے حصے میں نہ تھا اور ابھی اُن کی عمر پانچ سال کی تھی کہ والدہ نے ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کرلیں۔

اِس سانحۂ عظیم سے سید حسین بلگرامی بہت متاثر ہوئے اور عرصہ تک والدہ کی یاد اُن کے دل سے محو نہ ہوئی۔ ان کی بعض انگریزی نظموں میں ان حزنیہ کیفیات کی کہیں کہیں جھلک دکھائی دیتی ہے۔

لیکن اِس حادثہ سے اُن کی تعلیم میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہوئی اور وہ اپنے والد کے سایۂ عاطفت میں عربی زبان میں تعلیم پاتے رہے۔ اِس کے بعد چودہ سال کی عمر میں اُنھوں نے انگریزی سیکھنی شروع کی۔ اس کے لئے اُنہیں اپنے چچا سید اعظم الدین حسین خاں کے پاس پٹنہ بھیج دیا گیا جہاں اُنہوں نے پہلی دفعہ مدرسہ میں شرکت کی۔ کچھ دنوں بعد اُنہیں بھاگل پور کے مدرسے میں شریک کیا گیا کیونکہ یہ اُن کے والد کا مستقر تھا۔ جب کچھ انگریزی سیکھ لی تو اُنہیں کلکتہ بھیجا گیا۔ کلکتہ میں اُنھوں نے "لامارٹینز کالج" میں شرکت کی اور چھ مہینے بعد میٹرک کا امتحان درجہ اول میں کامیاب کیا۔ اِس اِمتیازی کامیابی کے صلے میں اُنھیں ایک تعلیمی وظیفہ عطا کیا گیا۔ اِس کے دو سال بعد اُنھوں نے 'انٹر' کا اِمتحان بھی درجہ اول میں کامیاب کیا اور بی۔ اے کے پہلے سال میں داخل ہوئے۔ اس سال اُن کی تعلیم میں چند رکاوٹیں پیدا ہوگئیں۔ بات یہ یہ ہوئی کہ والد نے اُنھیں بلگرام بلا کر سید محمد ذکی کی دختر نیک اختر سے شادی کردی۔ زندگی کی اُس نئی مصروفیت میں اس سال کا بہت سا حصہ ضائع گیا اور جب وہ کلکتہ لوٹے ہیں تو تعلیمی سال ختم ہو رہا تھا۔ پھر بھی سید حسین بلگرامی نے دل لگا کر اِتنی محنت کی کہ بی۔ اے کے آخری سال

میں اُنہیں ترقی مِل گئی۔ اِس سال اُنہیں کافی کام کرنا تھا کیونکہ اول تو پچھلے سال کی تلافی کرنی تھی اور پھر اُس اِمتیاز کی روایت کو برقرار رکھنا تھا جو گذشتہ دو اِمتحانوں میں اُنھیں مِل چکا تھا۔ اِس لئے اس وطن کے پکّے طالب علم نے خوب جی لگا کر پڑھنا شروع کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بی۔ اے کا اِمتحان بھی اس نے درجہ اوّل میں کامیاب کرلیا۔

سید حسین بلگرامی کا کالج کا زمانہ بہت ہی درخشاں رہا۔ اِس دَوران میں اُنہوں نے نہ صرف عربی اور انگریزی میں خاصی مہارت پیدا کرلی بلکہ سچّے مطالعہ نے اِنہیں اِن زبانوں کا صحیح ذوق بھی پیدا کردیا۔ عربی تو خیر اُن کے گھر کی ہوگئی تھی لیکن کالج کی تعلیم سے اُنھوں نے اِتنی عمدہ انگریزی سیکھ لی کہ اُس زمانے میں ان کے معیار کے لکھنے والے بہت کم لوگ تھے۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ کتابوں کے سچّے عاشق تھے۔ اُن کا اوڑھنا بچھونا کتابیں تھیں اور مطالعہ ہی اُن کا سب سے زیادہ دلچسپ مشغلہ تھا۔ اُن کے دوست کہتے تھے کہ ہم نے بہت کم لوگوں میں مطالعہ کا اِتنا سچّا شوق دیکھا۔

مطالعہ کے ساتھ ساتھ سید حسین بلگرامی میں اِنشاء پردازی کے جوہر بھی موجود تھے اور وہ اُردو، انگریزی، فارسی اور عربی بہت اچھی لکھتے تھے۔ نثر کے علاوہ اُنہیں شعر کہنے کا بھی اچھا ذوق تھا اور وہ انگریزی میں نظمیں لکھا کرتے تھے۔ اُن کا اُسلوب بیان، خواہ نثر ہو کہ نظم، سادگی، لطافت اور جامعیت سے مالا مال ہوتا تھا۔

(۳)

کارزارِ زندگی میں پہلا قدم

۱۸۶۸ء میں سید حسین بلگرامی نے تعلیم ختم کرلی تو اُن کے لئے ملازمت کی کئی راہیں کھلی ہوئی تھیں۔ ایک تو ان کے پاس ذاتی قابلیت تھی اور دوسرے خاندانی وجاہت۔ جس محکمہ میں چاہتے، اچھے اور موزوں عہدہ پر مامور کرلئے جاتے۔ لیکن وہ ایک حقیقی طالب علم تھے اور اپنی زندگی کو تعلیم و تعلم میں بسر کرنا زیادہ مناسب سمجھتے تھے۔ اِسلئے جب اُنھوں نے معلّمی کے پیشہ کو سب پر ترجیح دی تو نوعمری کے باوجود محض ذاتی لیاقت کی بناء پر اُنھیں کیننگ کالج میں شعبۂ عربی کی صدارت دی گئی اور وہ کامیابی کے ساتھ اپنا کام کرنے لگے۔

عربی کے ساتھ ساتھ، جیسا کہ ہم نے ابھی کہا ہے، اُن کی انگریزی لیاقت بھی مسلّمہ تھی۔ جس کی بناء پر ایک سہ روزہ اَخبار "لکھنو ٹائمز" کی اِدارت کا کام بھی اُن کے سپرد کیا گیا۔ یہ اَخبار اَودھ کے تعلقدار نکالا کرتے تھے جو ان کے نصب العین کی نمائندگی کرتا تھا۔ اُن کی اِدارت کے زمانہ میں "سار دا ایکٹ" کا متنازعہ فیہ مسئلہ اُٹھا۔ حکومت

نہر کی تعمیر پر مصر تھی لیکن بعض وجوہات کی بنا پر تعلقہ دار اس کی مخالفت کر رہے تھے۔ سید حسین بلگرامی کے ایک سیویلین دوست نے حکومت کی تائید میں پُر زور مضامین لکھنا شروع کئے۔ اور سید حسین بلگرامی نے نہایت بے باکانہ انداز میں ان کی مخالفت کی اور اپنے نقطۂ نظر کی حمایت میں قلم کا کچھ ایسا زور دکھایا کہ میدان تعلقہ داروں کے ہاتھ رہا۔

اصطلاحاتِ علمیہ اسی زمانے میں سید حسین بلگرامی نے لکھنؤ ٹائمز میں "علمی مصطلحات دیسی زبانوں میں" کے عنوان سے چند قسطوں میں ایک سیر حاصل مضمون لکھا۔ اس وقت حکومتِ بنگال نے یہ تحریک کی تھی کہ طبی رسائل کا ترجمہ دیسی زبان میں کیا جائے لیکن سوال یہ درپیش تھا کہ 'کس زبان میں کیا جائے؟' اور 'کس زبان میں صلاحیت زیادہ ہے؟' اُردو وہندی کا قضیہ اس وقت بھی چل رہا تھا۔ بعض اُردو کے طرف دار تھے اور بعض ہندی کے۔ ایک اور سوال یہ بھی تھا کہ ترجمہ میں امداد عربی سے لی جائے یا سنسکرت سے؟ بظاہر سنسکرت کا پلّہ بھاری نظر آتا تھا۔ کیونکہ یہ کہا جاتا تھا کہ اس کی قدامت اور وسعت مسلّم ہے اور دوسرے اُس میں مشتقات کے لئے لچک بھی زیادہ ہے۔

اِس موقعہ پر مختلف لوگوں نے اپنے تجربے اور فنی مشکلات کے مدنظر مبسوط نوٹ لکھے جن میں ماہر لسانیات بابو راجندر لال متر، طبیبِ حاذق مولوی تمیز خاں بہادر اور مہتمم مدارس حلقۂ بہار کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ نوجوان سید حسین نے ان کے تبصروں اور تجویزوں کا

گہری نظر سے مطالعہ کیا اور پھر اپنے خیالات پیش کئے۔
اُنھوں نے بتلایا کہ بلا شبہ سنسکرت کے موئیدین کے دلائل قابِل تسلیم ہیں۔ لیکن ترجمہ میں اِمدادی زبان کی حیثیت سے عربی سے بہتر کوئی دوسری زبان ہو نہیں سکتی۔ اِس تجویز کے ثبوت میں انھوں نے اِس اَمر کی وضاحت کی کہ یونانیوں کے علوم و فنون کو زندہ کرنے اور اُنھیں یورپ میں پھیلانے کا سہرا عربوں کے سَر ہے۔ علم کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کی ترقی میں عربوں نے حصہ نہ لیا ہو۔ مختلف علوم و فنون سے متعلق عربی زبان میں کافی ذخیرہ موجود ہے اور عربی زبان فنّی الفاظ سے کافی طور پر مالامال ہے۔ یہ خصوصیت سنسکرت کو نصیب نہیں۔ عربی کے بعد اُن کی نظر اِنتخاب فارسی پر پڑی جس کی شیرینی اور لچک مسلّم ہے۔ اپنی تجاویز کو مدلّل پیرائے میں پیش کرتے ہوئے اُنھوں نے چند تجاویز بھی پیش کئے ہیں جو یہ ہیں:۔

(۱) مصطلحات ایسے سیدھے سادہ ہوں کہ اُن سے حافظہ پر بار نہ پڑے۔

(۲) زبان کے مروجہ اِصطلاحات ہرگز ہرگز ترک نہ کئے جائیں۔

(۳) ہندی، فارسی، عربی اور انگریزی کی اُنہیں لغات سے مدد لی جائے جو اُردو میں مروج ہیں۔

(۴) عربی اور ٹھیٹ ہندی لفظوں کی ترکیب سے پرہیز کیا جائے۔

اِن اُصولوں کے علاوہ سید حسین بلگرامی نے اور بھی چند اُصول

وضع کئے اور ان کی تشریح مثالوں سے کی۔ اِن اُصولوں کو دیکھکر بڑی حیرت یہ ہوتی ہے کہ آج سے ساٹھ ستر سال پیشتر جو باتیں بتلائیں وہ موجودہ عہد کی کوششوں سے کسی طرح کم نہیں۔ بلا شبہ اُن کا ذہن رَسا اپنے زمانے سے کوئی نصف صدی آگے کو تھا۔ اسی زمانے میں اُنھوں نے یہ بھی منوا دیا کہ ہندوستان کی دیسی زبانوں میں، عام اور مشترکہ زبان بننے کی صلاحیت سوائے اُردو کے اور کسی زبان میں نہیں۔ ہندی کا درجہ اِس کے بہت بعد ہے۔ آج جامعہ عثمانیہ نے اُردو کو ذریعہ تعلیم قرار دیکر وضع اِصطلاحات کی جو کٹھن منزل طے کی ہے، وہ اُسی نوجوان دماغ کے خواب کی تعبیر معلوم ہوتی ہے۔

---

(۴)

سید حسین بلگرامی حیدرآباد میں

۱۸۷۲ء میں سر سالار جنگ اعظم، مدار المہام دولتِ آصفیہ جب لکھنؤ تشریف لے گئے تو سید حسین بلگرامی سے اُن کی ملاقات ہوئی۔ سر سالار جنگ اعظم کی مردم شناس نگاہوں نے، سید حسین بلگرامی کے ذاتی جوہروں کو بات کی بات میں پرکھ لیا اور بہ کمال قدردانی اُنھیں حیدرآباد آنے کی دعوت دی۔ سید حسین بلگرامی نہیں چاہتے تھے کہ اپنے علمی شغلہ کو چھوڑ کر زندگی کے ایک ایسے میدان میں قدم رکھیں جو ایک ہنگامہ، ایک معرکہ اور ایک ہڑبونگ ہے۔ اِس لئے اُنھوں نے کوئی ایک سال تک اِس نئے تجربے کی ہمت نہ کی مگر جب سر سالار جنگ اعظم نے دوبارہ اُنہیں یاد کیا تو وہ ۱۸۷۳ء میں پہلی دفعہ حیدرآباد آئے اِس موقع پر یہ بتلا دینا بھی نامناسب نہ ہوگا کہ "بلگرامی" کا لقب اُن کیلئے سر سالار جنگ اعظم ہی کا رائج کیا ہوا ہے۔

حیدرآباد آنے کے بعد سید حسین بلگرامی سب سے پہلے مدار المہام دولت آصفیہ کے پرائیوٹ سکریٹری کے عہدہ پر مامور کئے گئے۔ اس

زمانے میں مسئلہ برار سے متعلق حکومت ہند اور دولتِ آصفیہ کے درمیان زوروں سے مُراسلت ہو رہی تھی۔ پرائیوٹ سکریٹری کی حیثیت سے سید حسین بلگرامی کو اس مراسلت میں نمایاں حصہ لینا پڑا۔ حکومت ہند کے موسومہ مراسلوں کے مسودے مرتب کرنا اور مدارالمہام بہادر کے خطوط پر نظرِ ثانی کرنا انہی کے تفویض تھا۔ نیز جب کوئی انگریزی کاغذ مدارالمہام بہادر کے پاس پیش ہوتا تو حکم ہوتا کہ سید حسین بلگرامی کی نظرِ ثانی کے بعد پیش کیا جائے۔ سرسالار جنگ اعظم ان کی لیاقت اور دیانت کی دل سے قدر کرتے تھے اور وہ بھی ان کی عزت اور احترام میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھتے تھے چنانچہ ایک موقع پر وہ اپنے قلبی تاثرات کو اِس طرح ظاہر کرتے ہیں:۔

"آج چالیس سال ہوئے کہ میرے محبوب آقا سرسالار جنگ نے مجھے طلب کیا تھا۔ اُن کی دل آویز شخصیت، اُن کی مَردم شناسی، اُن کی معاملہ فہمی، یہ تمام اَوصاف ایسے تھے کہ ناممکن تھا کہ کوئی شخص اُن سے سابقہ رکھّے اور اُن کا گرویدہ نہ ہوجائے ہر قوم و ہر مِلّت کے اَشخاص اُن کے جاں نثار تھے۔"

جب سرسالار جنگ اعظم اِنگلستان گئے تو اپنے ہمراہ اُنہیں بھی ساتھ لے گئے اِس موقع پر اُنہیں ملکہء وکٹوریہ کی خدمت میں باریابی اور ہمکلامی کا موقعہ مِلا۔ علاوہ اَزیں اُنھوں نے اپنے ذوق کے مطابق اِنگلستان کے معروف اِنشاءپردازوں اور سیاست دانوں۔ جیسے ڈزرائیلی گلاڈسٹون، لارڈ سالسبری، جان مورلے، اور دیگر ممتاز ہستیوں سے مُلاقات کی

اور اُن سے تبادلۂ خیال کیا۔

اِنگلستان سے واپس آنے کے بعد سید حسین بلگرامی کو اُن کے اپنے مذاق کے مطابق تعلیمات کی نظامت کے ساتھ معتمدی بھی دی گئی۔ یہ خدمت اُنھوں نے کوئی بیس سال تک نہایت عمدگی سے انجام دی اور ۱۹۰۷ء میں وظیفہ لے لیا۔ بعد ازاں وہ اعلیٰحضرت ظلِ سبحانی کے معتمد پیشی بھی رہے اور پھر سالار جنگ ثالث کے مدار المہامی کے زمانے میں اُن کے مشیرِ خاص کا فریضہ بھی انجام دیا۔

اِن خدمات کے علاوہ سید حسین بلگرامی کو اپنی پچاس سالہ مدت ملازمت میں حضرت غفران مکان اور حضرت ظلِ سبحانی اور آپ کے صاحبزادگان بلند اقبال کی اتالیقی کا بھی شرف حاصل رہا۔ اُن کی اعلیٰ اور پُرخلوص خدمات کے صلے میں ۱۸۸۲ء میں نواب علی یار خاں بہادر موتمن جنگ کا خطاب ملا۔ اِس کے چند سال بعد عماد الدولہ اور عماد الملک کے خطابات سے سرفراز کیا گیا۔ برطانوی ہند نے بھی سی۔ ایس۔ آئی کا خطاب عطا کر کے اُن کی خدمات کا اعتراف کیا۔

---

(۵)

مُصلحِ تعلیم

حیدرآباد میں نواب عمادالملک کا سب سے بڑا کارنامہ اُن کے تعلیمی اِصلاحات ہیں۔ جب وہ آئے حیدرآباد اِصلاحی دَور سے گذر رہا تھا اور سرسالار جنگ اعظم ملک کی ہر جہتی اِصلاح کی طرف پُوری قوت صرف کر رہے تھے۔ دیگر شعبہ جات کی طرح تعلیمات کی حالت بھی بہت خراب تھی۔ تعلیم برائے نام دی جاتی تھی۔ لیکن نواب عمادالملک نے تعلیمات کی نظامت کا جائزہ لیتے ہی مدارس کی تعداد بڑھا کر تعلیم کو عام کرنے کا بیڑا اُٹھایا۔ اُس زمانے میں امراء اور اعلیٰ طبقے کے لڑکے تعلیم سے قطعی دلچسپی نہ رکھتے تھے۔ نواب عمادالملک نے اُن کی تعلیم کے لئے ۱۸۷۳ء میں ایک علٰحدہ ادارہ قائم کیا اور اُس کا نام مدرسہ اَعِزّہ رکھا اُس میں لائق اساتذہ مامور کئے گئے اور طلباء کی آمد و رفت کے لئے سَواریوں (رتھوں) کا اِنتظام کیا گیا۔ یہ سب سہولتیں ترغیب کی خاطر بہم پہنچائی گئی تھیں۔ سرسالار جنگ اعظم نے بھی اِس معاملہ میں نواب عمادالملک کی بہت ہمت اَفزائی کی۔

کچھ اسی زمانے میں ایک فوقانیہ مدرسہ کھولا گیا۔ جو بہت جلد کالج کے معیار پر پہنچ گیا اور جواب **نظام کالج** کے نام سے موسوم ہے اس کا تعلق اَب بھی جامعۂ مدارس سے ہے۔ اِس کالج کے صدر ڈاکٹر اگھور ناتھ چٹوپادیہ تھے۔ اِس اِدارہ کے اِسٹاف میں یوروپین اَساتذہ کی معقول تعداد تھی۔

انگریزی مدارس کے ساتھ ساتھ علوم مشرقیہ کی بقاء و حفاظت کے لئے مدرسہ دارالعلوم کھولا گیا جہاں کے سربرآوردہ اور کارگزار اَساتذہ نے بہت سے نامور طالب علم پیدا کئے۔

عورتوں کی تعلیم کے لئے نواب عماد الملک نے ایک مدرسۂ نِسوان کا اِفتتاح کیا جو غالباً مسلمان لڑکیوں کی تعلیم کا پہلا ادارہ تھا۔ اِس میں عربی فارسی اور انگریزی تعلیم کے لئے لائق معلمات مامور کی گئی تھیں اِس مدرسہ کا نصاب بھی عام مدرسوں سے جُدا تھا۔ اِس میں سوزن کاری اور اُمورِ خانہ داری کی تعلیم کو نُمایاں حیثیت دی گئی تھی۔ پَردہ کا خاطرخواہ اِنتظام تھا اور طالباۃ کی آمد و رفت کے لئے سرکاری طور پر سَواریاں مقرر کی گئی تھیں۔

عام تعلیم کے علاوہ نواب عماد الملک نے **صنعتی تعلیم** پر بھی اپنی توجہ مبذول کی اور شہر حیدر آباد، اورنگ آباد اور ورنگل جیسے مرکزی مقامات پر صنعتی مدرسے کھولے تاکہ ریاست کی خوابیدہ صنعتوں کو جگائیں اور ملک کے بے روزگار طبقہ کو روزی سے لگا کر ملک کی معاشی

حالت کو درست کریں۔ اِس ریاست میں موجود صنعتی تعلیم کا رجحان اسی ابتداء کا ایک اِرتقائی درجہ ہے۔

عام مدارس کے سلسلے میں نواب عماد الملک نے اساتذہ کو تدریس کے اُصول سکھانے اور اُنھیں تعلیمی نظریوں سے واقف کرانے کے لئے ۱۲۸۰ھ میں نارمل اِسکول کے نام سے ایک مدرسہ کھولا۔ اِسی نارمل اسکول نے ترقی کر کے اَب جامعۂ عثمانیہ کے شعبۂ تعلیم یعنی عثمانیہ ٹرینیگ کالج کی شکل اختیار کی ہے۔

اِس کے علاوہ ۱۸۷۰ء میں مدرسۂ اِنجینیرنگ قائم ہوا جو ۱۳۰۳ھ میں بند ہوگیا۔

ہم یہ بتلا چکے ہیں کہ نواب عماد الملک کو عربی زبان سے ایک طرح کا عشق تھا۔ اُنھوں نے عربی کی قدیم اور نادر کتابوں کو جمع کر کے اُنھیں محفوظ کرنے کے لئے ۱۳۰۸ھ میں ایک سرکاری کتب خانہ کتب خانہ آصفیہ کے نام سے قائم کیا۔ عرصہ تک اِس کتب خانہ میں عربی کے نادر الوجود اور قیمتی مخطوطات اور مطبوعات جمع کئے جاتے رہے۔ بعد میں اِس میں وسعت دی گئی اور اَب اس میں عربی کے علاوہ فارسی، اُردو، انگریزی اور دیگر زبانوں کی کتابوں کا کافی ذخیرہ جمع کرلیا گیا ہے اور آج یہ کتب خانہ ہندوستان کے اچھے کتب خانوں میں شمار ہوتا ہے۔

نواب عماد الملک کی یہ بھی خواہش تھی کہ عربی زبان کی نادر اور کم یاب کتابوں کو مکرر شائع کیا جائے تاکہ ایک تو وہ ناپید ہونے سے بچ جائیں

اور دوسرے اُن کی اِشاعت سے زیادہ لوگ فائدہ اُٹھا سکیں۔ اِس مقصد کے لئے اُنھوں نے سر سالار جنگ اعظم کی استعانت سے دائرۃ المعارف کے نام سے ایک اِدارہ قائم کیا جو عربی زبان کی پُرانی کتابوں کو جمع کرنے کے ساتھ ساتھ اُنھیں برابر طبع کر شائع کرتا رہتا ہے۔ یہ اِدارہ اَب تک برابر اُسی رفتار سے اپنا کام کئے جا رہا ہے۔ مرحوم نواب عماد الملک کے صاحب ذوق صاحبزادے نواب مہدی یار جنگ بہادر صدر المہام تعلیمات ریاست حیدرآباد دکن، اِس اِدارہ کی مصروفیات میں عملی دلچسپی لیتے اور اسے ایک علمی ورثہ سمجھتے ہیں۔ دائرۃ المعارف کی علمی جد و جہد ہندوستان کی چار دیواری ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ اکثر یورپی مستشرقین نہ صرف اسے قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں بلکہ اِس اِدارہ کے کاموں میں ہاتھ بٹانے کے لئے تیار نظر آتے ہیں۔

عام تعلیمی تنظیم اِن باتوں کے علاوہ نواب عماد الملک نے عام تعلیم کی تنظیم میں بہت بڑا حصہ لیا، ہر صوبہ، ضلع اور تعلقہ پر آبادی کے لحاظ سے فوقانیہ، وسطانیہ اور تحتانیہ مدارس کھولے اور تعلیمی کام کو اچھے اور تجربہ کار مدرسین کے سپرد کیا۔ طلباء کو شوق دِلانے اور اُن کی ہمت بڑھانے کے لئے مختلف قسم کے وظیفے مقرر کئے۔ طلباء کی صحت اور تعلیمی اُموریں سہولت پیدا کرنے کی خاطر جدید پختہ عمارتیں بنوائی گئیں ماہرین فن تعلیم اور تعمیر کے باہمی مشورہ سے ان مدارس کے خاکے بنوائے گئے اور ریاست کے مالیہ میں ان امکنہ کی تیاری کے لئے

گنجائش نکالی گئی۔ اِن تمام اِصلاحات کے پیش نظر یہ بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ

"نواب عماد الملک بہادر بی۔ اِے۔ سی۔ ایس۔ آئی بجا طور پر ممالک محروسہ سرکار عالی کی تعلیم کے علم بردار تھے" کیونکہ "اُن کے بیس سالہ عہد نظامت کی تعلیمی ترقی محض اُنکی ذاتی کوششوں کا نتیجہ تھی۔ ۱۲۹۲ فصلی (۱۸۸۲-۱۸۸۳ء) میں تمام مدارج کے ۱۸۶ مدرسے تھے، جن میں ۵۹۹, ۱۱ طلباء زیر تعلیم تھے اور جن کا خرچ ۱۶۰,۳ ۵۳ روپے تھا۔ برخلاف اِس کے ۱۳۱۵ ف (۱۹۰۵ تا ۱۹۰۶ء) میں ۸۸۲ مدارس تھے، طلباء کی تعداد ۸۲۱, ۵۹ تھی اور تعلیمی موازنہ ۲۵۵, ۳۱, ۱۰ روپے تھا۔"

اِس موضوع پر نہایت مفید اور مکمل مواد اِس کتابچۂ معلومات میں شائع ہوا ہے جو جشن سیمین حضرت سلطان العلوم کے موقعہ پر محکمۂ تعلیمات کی طرف سے "تعلیم آصفجاہ سابع کے عہد میں" کے نام سے شائع ہوا ہے اور جس کی ترتیب و تدوین مولوی سید محمد حسین صاحب جعفری حال ناظم تعلیمات اور مولوی سید علی اکبر صاحب حال نائب ناظم تعلیمات کی تحقیق و تلاش اور محنتوں کا نتیجہ ہے۔

نظریۂ تعلیم نواب عماد الملک کی زندگی کا بیشتر حصہ تعلیمی مصروفیات میں گذرا۔ اور وہ اپنے روزمرہ تجربے

اور مشاہدے کی روشنی میں تعلیمی اُصولوں کا گہری نظر سے مطالعہ کرتے رہے۔ وہ ایک ایسا نظریۂ تعلیم رکھتے تھے جو جدید اور قدیم اُصول ہائے تعلیم کی ایک پسندیدہ آمیزش کا نتیجہ تھا، اُن کے خیال میں

"سچی تعلیم وہی ہے جس سے طبیعت میں صلاحیت تمیز حق و باطل پیدا ہو، واقعات روزمرہ سے صحیح نتیجے نکالنے کی قابلیت حاصل ہو۔ نفس کی تمام قوتوں کو صیقل اور جلا ہو۔ گذشتہ قرنوں کے عمدہ خیالات پر اطلاع ہو اور اُن خیالات کو معیشت روزمرہ میں صرف کرنے اور اُن سے کام لینے کی استعداد اور ترقی روحانی و کسب و کمال نفسانی کے میدان میں ہر روز ایک قدم آگے بڑھکر رکھنے کا جوش اور ولولہ پیدا ہو۔ معاملاتِ روزمرہ میں خلوص، غرض اور باہمی تمدن میں دوسروں کے حقوق کا تحفظ، اپنے ذاتی اغراض پر عام مصالح کو ترجیح دینا اور ہر خاص و عام سے حفظِ مراتب کے ساتھ پیش آنا، یہ سب نتیجے عمدہ تعلیم کے ہیں اور یہی صفات ہیں جن سے اِنسان اِنسان کہلاتا ہے۔"

نواب عماد الملک کے اِس نظریۂ تعلیم میں اِفادی اور تہذیبی دونوں پہلو نمایاں ہیں اور وہ ہر طرح سے مشرقی اور مغربی خیالات کے اِمتزاج کا نتیجہ ہے۔

نواب عماد الملک ضبط کو تعلیم کا لازمی اور ضروری عنصر خیال کرتے اور داخلی ضبط پر زور دیتے ہیں۔ اُن کے خیال میں اُستاد کا ادب، روایات کا لحاظ، اچھے آداب کا پاس، پابندی خصوصاً مفوضہ کام میں پابندی

شیریں گفتاری، صداقت اور انصاف ضبط مدرسہ سے حاصل ہونے چاہئیں۔ انھیں یہ دیکھکر بڑا دُکھ ہوتا تھا کہ مدرسے امتحانی مقابلوں کی فکر میں ضبط جیسی اہم چیز کو نظر انداز کردیتے ہیں جس سے تعلیم کا مقصد ادھورا رہ جاتا ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے یہ بھی بتلایا کہ یہ مقصد صرف اس صورت میں حاصل ہوسکتا ہے جبکہ والدین بھی مدرسہ کے ارکان کے ساتھ تعاونِ عمل کریں اور ضبط اور تہذیب کی اُن روایات کو برقرار رکھنے کی عملی سعی کریں جو اُن کا قومی ورثہ ہے۔

نواب عماد الملک کے تعلیمی خیالات میں سب سے خاص بات یہ ہے کہ وہ فری مذہبی یا محض مغربی تعلیم کو کافی نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ اس بات کے حامی تھے کہ دونوں ساتھ ساتھ چلیں۔ مذہبی تعلیم سے رُوحانی تربیت ہوگی اور مغربی علوم و فنون سے معلومات میں اضافہ ہوگا۔ اس طرح سے روح اور ذہن دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگی سے ترقی کے مدارج طے کرتے جائینگے چنانچہ ایک موقعہ پر اُنھوں نے فرمایا تھا۔

"روٹی کمانا بدقسمتی سے ایک ناگزیر تلاش ہے لیکن انسان کی زندگی کا حصر صرف رُوٹی پر نہیں ہے۔ رُوح کو بھی تروتازہ غذا ملنی چاہیئے۔ نیز روٹی بھی کافی نہیں ہے اور نہ کتابیں اور روٹی انسان کی جسمانی ضروریات کو پُورا کرتی ہیں بلکہ درحقیقت ایک مکمل انسان کے لئے جو چیز درکار ہے، وہ ایک ایسی تربیت ہے جو خوش بسری اور

خوش فکری کے سامان فراہم کرتی ہے"

ایک جگہ اور وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کو خدا اور مذہب دو چیزیں ورثہ میں ملی ہیں۔ اگر ہم دنیا کی نت نئی بوقلمونیوں میں محو ہو کر اس ورثہ کو کھو دیں تو بھٹک جائینگے۔ کیونکہ

"وہ قوم جو اپنے خدا اور اپنے ضمیر کو بھول جاتی ہے، اسکی مثال ان ملاحوں کی سی ہے جنھوں نے اپنے چپو کھو دیئے ہیں اور بغیر کسی ناخدا یا سکان کے متلاطم سمندر کی موجوں پر بہے چلے جارہے ہیں"

---

(۶)

حیدرآباد سے باہر

مصلح تعلیم کی حیثیت سے نواب عماد الملک کی شہرت حیدرآباد دکن تک ہی محدود نہ تھی بلکہ سارا ہندوستان ان سے واقف تھا اور ان کی خدمات کا اعتراف کرتا تھا۔ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی اُنھوں نے دو مرتبہ صدارت کی۔ اِن دونوں مواقع پر نواب عماد الملک نے جو خطبے پڑھے، وہ نہ صرف اعلیٰ اَدبی لیاقت کے حامل ہیں بلکہ تعلیمی اور اخلاقی نصیحتوں کے دفتر ہیں۔ حکومتِ ہند نے ان کے تعلیمی تجربے اور ذاتی قابلیت کے مدنظر ۱۹۰۳ئ میں جامعاتی کمیشن کا کام اِن کے سپرد کیا۔ اس وقت وہ مجلس وضع قوانین کے رکن تھے۔ ۱۹۰۷ئ میں وزیرِ ہند نے انہیں انڈیا کونسل کا رکن مقرر کیا۔ یہ پہلے مسلمان ہیں جنھیں یہ اعزاز عطا کیا گیا۔ لیکن ناسازئ مزاج کے باعث وہ زیادہ عرصہ تک یہ خدمت انجام نہ دے سکے اور کام سے سبکدوش ہو گئے۔ اِنگلستان سے واپس آنے کے بعد اُنھیں نواب سالار جنگ ثالث مدار المہام دولت آصفیہ کا مشیر خاص بنایا گیا۔

(۷)

سیاسی دُنیا میں

نواب عماد الملک خالص علمی آدمی تھے ۔ وہ سیاسیات کی جھنجھٹوں سے کوسوں دور رہتے تھے ۔ حیدر آباد اور بیرون حیدر آباد اُن کا شخصی اقتدار اِتنا مسلم تھا کہ سیاسیات کے میدان میں کود کر کسی ایک جماعت کی قیادت سے اپنا نام جھنڈے پر چڑھا لینا، اُن کیلئے بہت آسان بات تھی لیکن اُن کی عالمانہ ذہنیت نے کبھی بے جا نام و نمود کو اپنے پاس پھٹکنے نہ دیا ۔ البتہ اُنھوں نے صرف ایسے ہی موقعوں پر سیاسیات میں حصہ لیا جبکہ کسی خاص وجہ سے وہ مجبور کئے گئے ہوں یا خود اُنھوں نے اِس کی ضرورت محسوس کی ہو ۔ مگر ایسے موقعے صرف چند مرتبہ پیش آئے ایک مرتبہ جب اُنھوں نے دیکھا کہ سرسید اپنے میدان سے ہٹ کر کانگریس کے معاملات میں حصہ لے رہے ہیں تو اُنھوں نے سرسید کے نام ایک یادگار خط لکھا کہ وہ کانگریسی معاملات سے اپنے کو الگ تھلگ رکھکر بالکلیہ اپنی توجہ مسلمانوں کی تعلیم پر مرکوز رکھیں ۔ ایک دوسرے موقعہ پر اُنھوں نے لارڈ منٹو کو ایک مشترکہ یادداشت بھیجی تھی جس میں شاہی اور صوبجاتی مجالس

قوانین میں مسلمانوں کی خصوصی نمائندگی کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ اِن دونوں موقعوں پر نواب عماد الملک نے ان امور میں حصہ لینے کی ضرورت محسوس کی تھی۔ اِس بات کا خاصہ اثر ہوا اور مسلمانوں کے بعض حقوق کی حفاظت ہو گئی۔ بات یہ ہے کہ نواب عماد الملک کی ساری زندگی نیک نیتی اور خلوص کا مرقع تھی اور وہ وہی کہتے تھے جس کے لئے اُن کا ضمیر اُنہیں مجبور کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اُنہیں اپنے مقاصد میں کبھی ناکامی نہیں ہوئی۔

نواب عماد الملک فرقہ وارانہ اختلافات کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ اگر ہندوستان کے مختلف فرقے یہ چاہتے ہیں کہ دوسری قومیں اُنھیں عزت کی نظر سے دیکھیں تو اُنہیں چاہیئے کہ وہ اپنے آپ کو ایک ہندی اتحاد کی ڈوری میں منسلک کر دیں ۱۸۹۶ء میں اُنہوں نے مسلمانوں کے ایک جلسے کو یوں مخاطب کیا تھا۔

"مختلف اقوام، جن کے ساتھ ہم ہندوستان میں رہتے سہتے ہیں، ایک ہی مادرِ وطن کے سپوت ہیں جنھیں آپس میں بھائی بھائی کی طرح رہنا چاہیئے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم انکے ساتھ برادرانہ محبت اور خلوص کے ساتھ بسر کریں۔ اُنکی کامیابی ہماری کامیابی ہے اور اُن کی ناکامی ہماری ناکامی فطری طور پر وہ ہمارے دوست اور معین ہیں۔"

نواب عماد الملک دلوں کے اتحاد کے قائل تھے۔ زبانی جمع خرچ

اُنھیں ہرگز نہ بھاتا تھا۔ وہ کبھی اِن تفرقات کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے جنھیں بعض ناسمجھ ہندو پیدا کرنا چاہتے تھے اور جس سے مسلمانوں کے مستقبل کو دھکا پہنچ رہا تھا۔ اِس غلط کوشش کو وہ ہندوؤں کے لئے بھی نقصان دہ سمجھتے تھے کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ جب تک وہ دلوں کی حرکت ہم آہنگ نہ ہو، حقیقی اِتحاد ممکن نہیں۔ اگر کوئی جماعت یہ چاہے کہ دوسرے کی قربانی سے اپنی عید منائے تو یہ ناممکن ہے کیونکہ ان کے خیال میں ہر ایسے عمل کا ایک ردِعمل ناگزیر ہے اور ناگوار کشمکش کا پیدا ہونا یقینی۔ نواب عمادالملک کے اُن پاکیزہ خیالات نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات کو اُستوار کرنے میں مسیحائی کی اور آخر عمر تک وہ اِس کوشش میں رہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان دن بہ دن جو خلیج حائل ہوتی جا رہی ہے، وہ گھٹ جائے۔ اکثر مواقع پر اُنھوں نے صاف بتلا دیا کہ ہندوستان کی ترقی اور فلاح کا واحد ذریعہ ہندو مسلم اِتحاد ہے

ادبی کارنامے

نواب عماد الملک اُردو، انگریزی، فارسی اور عربی میں ماہرانہ قابلیت رکھتے تھے اور ان سب زبانوں میں بے تکان لکھتے اور بولتے تھے۔
اُن کے بیشتر خطبات اور تقاریر انگریزی یا اُردو میں لکھی ہوئی ہیں لیکن اِس کے ساتھ ساتھ عربی اور فارسی تحریر کے بھی اچھے نمونے موجود ہیں چنانچہ اُنھوں نے والئی افغانستان کی خدمت میں زبانِ فارسی میں جو گذارش پیش کی تھی اور "سقراط" پر عربی زبان میں جو مضمون لکھا تھا، وہ اُن کی طرزِ نگارش کے ثبوت ہیں۔
انگریزی زبان پر اُنھیں بڑی قدرت حاصل تھی اور ساتھ ہی اِس کے وہ عربی کے بھی ایک زبردست عالم تھے، اِس لئے اُنھوں نے قرآن مجید کے ترجمے کا اَدق ترین کام شروع کیا اور نہایت اِحتیاط سے ترجمہ کرنے لگے لیکن عمر نے وفا نہ کی کہ اس کام کی تکمیل کر سکتے۔ اِبتدائی ۲۰ پاروں کا ترجمہ مطبوعہ صورت میں مولوی مرزا حسین علی خاں صاحب پروسٹ جامعہ عثمانیہ کے کتب خانہ میں ہماری نظر سے گذرا۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اور کتنے پاروں کا

ترجمہ کیا جاچکا تھا۔ یہ مطبوعہ صفحات پروف معلوم ہوتے ہیں کیا ہی اچھا کہ یہ شائع ہوکر منظرِ عام پرآجائے۔ کیونکہ یہ بجائے خود ایک ضخیم اور مبسوط کتاب ہے اور جو کچھ بھی کیا گیا وہ بہت بلند پایہ اور معیاری ہے۔ اس میں انھوں نے نہ صرف اپنی انشاء پردازی کے جوہر دکھلائے ہیں بلکہ قرآنِ حکیم کے مطالب اور معانی کی صحت کا خاص طور پر خیال رکھا ہے۔ یہ اُن کے دین و دنیا کا سرمایہ ہے!

نواب عماد الملک نے انگریزی زبان میں سرسالار جنگ اعظم کی ایک مختصر سی سوانح عمری لکھی ہے جس کا اُردو ترجمہ مہدی حسن نے "مرقعِ عبرت" کے نام سے ۱۳۰۱ھ میں شائع کیا۔ اِس چھوٹی سی کتاب میں نواب عماد الملک نے اِس ذی مرتبت ہستی کی زندگی کے تمام و کمال حالات نہایت سلیقے سے بیان کئے ہیں۔ انگریزی میں ایک دوسری کتاب "تذکرۂ مملکت آصفیہ" لکھی ہے جو ایک مستند تاریخ ہے۔

اِن کتابوں کے علاوہ نواب عماد الملک کے وہ خطبے اور مقالے ہیں جو اُنھوں نے مختلف موقعوں پر پڑھے تھے۔ یہ سب ایک کتاب کی صورت میں "خطبے، نظمیں اور دوسری تحریرات" کے عنوان سے انگریزی زبان میں شائع ہوچکے ہیں۔ اِس کے مطالعہ سے اُن کے اُسلوب بیان اور ان کے تعلیمی اور اصلاحی خیالات سے متعلق بہت کچھ آگاہی ہوتی ہے۔ اِس کتاب کے آخر میں نظموں کا حصہ ہے۔ نظمیں زیادہ تر غنائی ہیں۔ اِن نظموں کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ

وہ ایک اچھے شاعر تھے۔ وہ اپنے تاثرات اور تحسسات کو اِس انداز میں بیان کرتے ہیں کہ پڑھنے والے کے دِل میں اُتر جاتے ہیں ُ انکی شاعری کا سرمایہ بہت تھوڑا ہے۔گو تعداد میں کم ہے لیکن جامعیت میں ایسا ہے کہ اس پر" مختصر مفید" کا پورا پورا اِطلاق ہوسکتا ہے۔

نواب عماد الملک کے اُردو رشحاتِ قلم " رسائل عماد الملک" کے نام سے ۱۹۲۱ئہ میں شائع ہوئے ہیں۔ اِس میں اُن کے علمی، اخلاقی اور سائنسی مضامین اور خطبے درج ہیں۔ اِن کے علاوہ چند انگریزی مضامین کے ترجمے بھی ہیں اِس مجموعہ کے یوں تو سب مضامین دلچسپ اور محققانہ ہیں لیکن "ہوا اور پانی" کی طبیعات اور کیمیا، پر جو بسیط مضمون لکھا گیا ہے وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے غیر معمولی دلچسپ ہے۔ اُردو زبان میں سائنس کے موضوع پر ایسا عام فہم مضمون لکھنا اور وہ بھی اُس زمانے میں جبکہ اِصطلاحات وضع نہیں ہوئی تھیں، واقعی کمال ہے۔

نواب عماد الملک کو اُردو شعر وسخن کا بڑا اچھا ذوق تھا۔چنانچہ اُنھوں نے متعدد اُردو شاعروں کے کلام کا اِنتخاب کئی حصّوں میں " مختارِ اشعار" کے نام سے شائع کیا تھا۔ یہ اِنتخابات اصل میں جامعہ مدراس کے اُردو نصاب کی ضرورت کے مطابق تیار کرائے گئے تھے لیکن سارے ہندوستان میں اِتنے مقبول ہوئے کہ ایک سے زیادہ مرتبہ اُن کو شائع کرنیکی ضرورت لاحق ہوئی۔ سب سے پہلے اُن کو " مدراس اِسکول بکس اینڈ لٹریچر سوسائٹی" نے مطبع " ایس۔ پی۔ سی۔ ین"

میں ٹائپ میں چھپوا کر ۱۹۰۷ء میں شائع کیا۔ شعر علی افسوسؔ۔ عبدالحی تاباںؔ، نظام الدین ممنونؔ۔ نظیر اکبرآبادی اور مرزا محمد تقی خاں ہوسؔ لکھنوی کے دیوان اب تک کم یاب ہیں۔ یہ نواب عماد الملک کا ذوق صحیح تھا کہ انھوں نے اُردو شعرا کے قلمی نسخوں سے بہترین شاعروں کو چن کر ان کے کلام کے اعلیٰ نمونے اُردو دنیا کے آگے پیش کئے۔

---

(۹)

سچّے مُسلمان

نواب عماد الملک نے ایک ایسے گھرانے میں جنم لیا تھا جس میں
اِسلام کے آئین اور اُصولوں کی سختی کے ساتھ پابندی کی جاتی تھی۔
بچپن ہی سے اُن کی تربیت ایک خالص اِسلامی ماحول میں ہوئی اِسلئے
اِسلام کے آئین، اُصول اور آداب کا اُن کی زندگی پر گہرا اَثر رہا اور مَرتے
دَم تک وہ ایک سچّے مُسلمان رَہے۔ اُنھوں نے مسلمانوں کی حالت
کو سُدھارنے، اُنہیں اپنے بھُولے ہوئے اُصولوں کو یاد دلانے اور
اُن کے حقوق کی حفاظت کرنے کے لئے ساری عمر کوشش کی۔ گو وہ
کسی قسم کی مذہبی تفریق کو اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے تاہم ایک صاحب
اِحساس اِنسان کی طرح وہ اِس بات کے پرزور حامی تھے کہ سب اِنسان
بھائی بھائی کی طرح رہیں اور ساتھ ہی اس کے مسلمان اپنی اِنفرادیت
کو قائم رکھیں اور اپنے اُصول اور قوانین پر کاربند رہیں اور اِس
سرمایہ سے غفلت نہ برتیں جو تیرہ سو برس سے اُن کی زندگی کا رہبر

بنا رہا چنانچہ وہ کہتے ہیں:۔

"اِسلام سے بہتر کوئی فلسفہ، کوئی طریقِ زندگی، کوئی فطری اور سادہ مذہب نہیں ہے۔ اِس میں کوئی بات عقل کے خلاف، عمل کے لئے دشوار نہیں۔ اور ہر چند دوسرے مذاہب کی تعلیم بھی انبیاء علیہم السلام نے دی اور وہ سب اچھے اخلاق اور عقائد سکھاتے ہیں۔ لیکن انسان مدنی الطبع ہے اور اس کی تمام تمدنی ضروریات کو پیش نظر رکھکر جس مذہب نے صحیح تعلیم دی، وہ صرف دینِ اِسلام ہے۔"

نواب عماد الملک اِسلام کے سچّے پرستار تھے۔ اِسلام کی تبلیغ اور اِشاعت اُن کا خاص مطمحٔ نظر رہا۔ چنانچہ ریاست حیدرآباد کے صدر الصدور مولوی انوار اللہ خاں صاحب مرحوم سے اِس سلسلے میں اکثر تبادلۂ خیال کرتے رہتے تھے اور ان وسائل کو ڈھونڈتے تھے جو اِسلام کی اِشاعت کے مناسبِ حال ہوں۔ اِس خیال کی تکمیل کے سلسلے میں اُنھوں نے خواجہ کمال الدین کے ووکنگ مشین کو سرکاری امداد بھی دِلوائی۔ کچھ اِسی مقصد کے تحت وہ کلامِ پاک کا انگریزی ترجمہ بھی کر رہے تھے کہ انگریز اور دوسری انگریزی داں قومیں اِسلام کے اُصولوں کو اچھی طرح سمجھیں اور اُس کی طرف کھنچے آئیں۔

ماٰخذ

(۱) رسائل عماد الملک۔ نواب عماد الملک
(۲) خطبے نظمیں اور دیگر تحریرات۔ از ڈاکٹر بلگرامی (زبان انگریزی)
(۳) تعلیم آصفجاہ سابع کے عہد میں (مرتبۂ سررشتہ تعلیمات سرکار عالی)
(۴) مرقع عبرت (سوانح سرسالار جنگ اعظم نوشتہ نواب عماد الملک مترجمہ مہدی حسن صاحب)
(۵) مختار اشعار۔
(۶) ترجمۂ کلام مجید کے پُروف۔
(کتب خانہ مولوی حسین علی خاں صاحب پروفیسر جامعہ عثمانیہ)
